صیغہ عدل وقضامیں خواتین کی بطور قاضی تقرری : اسلامی قانون کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ

The Juristic Status of the Appiontment of Female Judges in the Light of Ialamic Law: An Anayltical Study

Zainab Amin *
Riaz Ahmad Saeed **

Abstract
In modern times, women are in association with men in individual, social, academic, religious and political fields. However, naturally women are comparatively weak and suffer from natural biological issues. Islam is a religion of nature and gives rights and responsibilities to men and women according to their status, capabilities, and trends. These rights and duties are related to every field of life, namely, each sector has duties and responsibilities of both men and women. Sharī'a law does not only emancipate any gender from performing collective activities but it also allows them to remain in harmony with the general reform of Islamic society, and in this case there is nothing wrong with women and men in the context of Islamic law. That's why men and women perform their responsibilities based on skills and abilities in all fields of life. However, some gender norms should be considered. However, the one point of view is that the person's legal attorney has the most important duty and legitimacy in the Islamic law. Therefore, it is not possible to get any of the positions that you cannot find in specific circumstances. Muslim scholars has difference of up on up on this most important juristic issue. In this study efforts are made to elaborate these views and try to solve this issue with reference to modern context. The analytical and critical approaches have been adopted in this study. It's assumed from the study, that modern Muslim jurists have variety of response on this issue some are agreed some disagreed and some agreed with some conditions. Therefore, it's recommended that government may depute female judges for female cases specially and also make separate courts to facilitate the women. However, where the narrative rules, the element of the difference are found in which a woman is a judge or not, usually in the context of the trend, is a woman who can perform a duty as a judge.
Keyword: Women as Judge, Appointment, juristic status, Islamic Law, analytical study

تمہید:

عصر حاضر میں جہاں خواتین بیشتر شعبہ ہائے زندگی میں انفرادی، معاشرتی ،اجتماعی، علمی ، دینی اور سیاسی میدانوں میں مردوں کے ساتھ برابر کی شریک ہیں۔ وہاں عمومی طور پر عورت کا کردار خصوصامرد کے مقابلے میں افراط و تفریط کا شکار رہاہے۔ دین اسلام ایک فطری دین ہے اور فطری تقاضوں کے مطابق مرد اور عورت میں سے ہر ایک کو اس کی حیثیتوں، صلاحیتوں، اور رجحانات کے مطابق حقوق بھی دلواتا اور کردار بھی سونپتا ہے۔ اور اس ضمن میں ان پر ذمہ داریاں بھی عائد کرتا ہے۔ ان حقوق اور فرائض کا تعلق زندگی کے ہر شعبہ کے ساتھ وابستہ ہے،یعنی ہر شعبہ ذندگی میں مرد اور عورت دونوں کے فرائض اور زمہ داریاں ہیں۔

شریعت اسلامیہ نے کسی جنس کو فلاح وبہبود میں حصہ لینے سے محروم نہیں کیاہے اور نہ ہی کوئی خاص تعداد مقرر کی ہے۔ بلکہ اس کو اسلامی معاشرے کی عمومی اصلاح کی حاجت کے موافق رہنے دیاہے اور اس ضمن میں عورت اور مرد میں کوئی تفریق شریعت اسلامی کے پیش نظر

* Assistant Professor, Department of Islamic Women University Peshawar.
**Lecturer, Department of Islamic Studies, NUML, Islamabad.

نہیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ کارگاہ عمل میں صلاحیتوں کی بنیاد پر مرد اور عورت اپنی ذمہ داریاں ادا کر رہے ہیں۔ تاہم بعض صنفی نزاکتوں کا خیال ضرور رکھا گیا۔ البتہ یہ بات کہ اسلامی شریعت میں قاضی کی شخصیت کو غیر معمولی اہمیت اور حیثیت حاصل ہے، اس لیے کوئی بھی اس منصب کے حاصل کرنے کا اہل نہیں ہو سکتا جب تک اس میں مخصوص شروط نہ پائی جائیں۔ ان شروط میں بعض ایسی ہیں جن پر فقہاء کا اتفاق بعض ایسی ہیں جو مخصوص حالات میں فقہاء کے متفق علیہ ہیں اور بعض شروط میں فقہاء اسلام کا اختلاف ہے۔ اہلیت کا اعتبار علم کی بنیاد پر رکھا گیا ہے۔ لہذا شعوری طور پر یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ کسی بھی منصب کے لیے متعلقہ امیدواروں میں قابلیت کا معیار ہی تعلیم ہے جس میں دونوں مرد و عورت کا درجہ برابر ہے۔ لیکن یہ جہاں تک فقہی اصولوں کی بات ہے تو اس میں اختلاف کا عنصر ضرور پایا جاتا ہے کہ آیا عورت جج یا قاضی بن سکتی ہے یا نہیں عموماً رجحان عصری تناظر میں یہ پایا جاتا ہے کہ عورت بطور جج یا قاضی اپنے فرائض انجام دے سکتی ہے۔ تاہم بعض اہل علم کا یہ تاثر قائم ہے کہ عورت اپنی صنفی نزاکتوں کے باعث جدید قانون اور عوامی اصولوں کے باوجود اس کی اہلیت نہیں رکھتی مسلم ممالک میں خواتین ججوں کی تقرری ایک متنازعہ مسئلہ بنی ہوئی ہے۔ یہ نہایت اہم مسئلہ ہے کیونکہ شریعت میں نہ تو اجازت ملتی ہے اور نہ ہی اس کی ممانعت میں کوئی صریح حکم موجود ہے۔ اس پس منظر میں زیر نظر مضمون میں بغیر کسی افراط و تفریط کے ان دونوں قسم کی آراء کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

لفظ قضاء کی لغوی ، اصطلاحی تعریفات

قضاء کا ایک لغوی معنی حکم (فیصلہ) ہے، امور کو طے کرنے والا اور ان کو مضبوط کرنے والا ہے، اس کی اصل طے کرنا اور فیصلہ کرنا ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے قضی یقضی قضاء فهو قاض: یعنی حکم کرنا، فیصلہ کرنا۔ یہ لفظ لغت میں چند طریقوں سے استعمال ہوتا ہے جن کا حاصل کسی چیز کا پورا ہونا اور مکمل ہونا ہے، مثلاً اس کا اطلاق خلق (پیدا کرنے) اور صنع بنانے پر ہوتا ہے۔

کسی چیز تک پہنچنے اور اس کو حاصل کرنے پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے تم کہتے ہو: قضیت وطری: میں اپنی ضرورت تک پہنچ گیا اور اس کو حاصل کر لیا اور قضیت حاجتی بھی اس معنی میں ہے۔[1]

قضا و قدر سے مراد ہے ازل سے ابد تک پائے جانے والے موجودات کے احوال سے متعلق اللہ کا کلی حکم اور احوال کا اسی کے مطابق پیش آنا۔ قضاء کی شرعی تعریف سے مراد کسی حاکم عدالت یا حکم کا وہ فیصلہ جو اس نے کسی ایسے معاملے میں دیا ہو، جو اس کے نزدیک ثابت ہو چکا ہو[2]۔

قضاء فراغت کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ اور اس کا معنی بنانا اور مقرر کرنا بھی ہے"[3]۔ اس لفظ کا ایک لغوی معنی علامہ زبیدی (م۱۲۰۵ھ) یوں کیا ہے کہ قضا کا حکم میں فیصلہ کرنے کو کہتے ہیں[4]۔

لفظ قضا لغت میں قضی، یقضی سے مصدر کا صیغہ ہے اصل میں قضای تھا عربی زبان کے ایک قاعدے کے مطابق یاء کو ہمزہ سے بدل دیا گیا۔ لغوی اعتبار سے اس لفظ کے متعدد معنی آئے ہیں لیکن فریقین کے درمیان کسی تنازعے کا فیصلہ کرنا اس کا کثیر الاستعمال مفہوم ہے۔ یعنی

فریقین کے درمیان تصفیہ کردینااوران پر اپنا فیصلہ نافذ کردینا' اسی اساسی مفہوم کی مناسبت سے فقہاء نے قضاء کی قانونی اور اصطلاحی تعریف مختلف الفاظ میں کی ہے لیکن مفہوم کا ایک یہی ہے۔

قضاء کی اصطلاحی تعریفات:

قضاء اصطلاح میں جھگڑوں کا فیصلہ کرنااور منازعات کو ختم کرناہے' ابن عابدین (م ۱۲۵۲ھ) نے مخصوص طور پر اس کا اضافہ کیاہے تاکہ اس میں فریقین کے مابین صلح وغیرہ داخل نہ ہو[5]۔مالکیہ کی تعریف الزام (پابند کرنے) کے طور پر شرعی حکم کی خبر دیناہے[6]۔

قضاء کے معنی ہیں لوگوں کے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کرنااوراس قانون کے مطابق فیصلہ کرناجواللہ نے نازل کیاہے[7]۔شرعی فیصلہ سنانا اس طرح کہ اس کانافذ کرنالازم ہوجائے[8]۔

شافعیہ کی تعریف کے نزدیک: الزام من له الزام بحكم الشرع''[9]۔

حنابلہ کی تعریف یہ ہے کہ شرعی حکم بیان کرنا' اس کاپابند کرنااور جھگڑوں کافیصلہ کرنا[10]۔

فقہاء نے لفظ قضاء کو مذکورہ معانی کے علاوہ عبادات میں بھی استعمال کیاہے' یہ بتانے کے لیے کہ ان عبادات کواپنے مقررہ شرعی وقت سے باہر اداکیاگیاہے۔جیسے کہ ''قضاءدین'' کی عبارت کودین کی ادائیگی اور پوراکرنے کو بتانے کے لیےاستعمال کرتے ہیں۔[11]

قضاء سے متعلقہ الفاظ:

فتوی:

فتوی' فتوی اور فتیا لغت میں فقیہ کا فتوی[12]۔لہذا قضاء الزام کے طور پر اور فتوی بغیر الزام کے ہے' دونوں میں قدر مشترک کسی واقعہ میں شرعی حکم بیان کرناہے' اور الزام کی قید سے قضاء فتوی سے الگ ہے[13]۔

قضاءاور فتوی میں ایک فرق تو یہ ہے کہ قاضی کے پاس اپنے فیصلے کو عملاًنافذکرنے کی وقت نافذ وہوتی ہےاور مفتی صرف حکم شرعی بتانے والا ہوتاہے قوت نافذہ اس کے پاس نہیں ہوتی ہے۔

تحکیم:

تحکیم لغت میں کسی معاملہ یا چیز میں حکم بنانا اور فیصلہ اس کے سپرد کردینا۔اصطلاح میں فریقین کا کوئی حاکم مقرر کرنا جو ان میں فیصلہ کرے[14]۔ تحکیم اور قضاء میں فرق یہ ہے کہ قضاء ولایت عاہ میں سے ہے جب کہ تحکیم فریقین کی طرف سے خصوصی تفویض وتولیت کانام ہے' لہذا تحکیم قضاء کی ایک فرع ہے تاہم اس سے ادنی درجہ رکھتی ہے[15]۔

حسبہ:

حسبہ لغت میں احتساب کااسم ہے جس کے معانی میں اجر' حسن تدبیر وانتظام ہے' اسی معنی میں ان کا یہ قول ہے فلان حسن الحسبۃ فی الامر

یعنی بہتر انتظام وانصرام والا۔

اصطلاح میں جمہور فقہاء کی تعریف یہ ہے کہ نیک کام کا حکم کرنا اگر اس کا ترک ظاہر ہو اور خلاف شرع بات سے ممانعت کرنا اگر اس کا ارتکاب ظاہر ہو[16]۔ حسبہ اور قضاء میں ربط یہ ہے کہ یہ دونوں اس امر میں متفق ہیں کہ محتسب و قاضی ہر ایک کو مخصوص قسم کے دعوی پر نظر رکھنے کا اختیار ہوتا ہے اور یہ وہ دعوے ہیں جن کا تعلق کسی خلاف شرع ظاہری امر سے ہو مثلاً ناپنے یا وزن کرنے میں ظلم یا کمی کرنا' مبیع میں دھوکہ دینا عیب پوشی کرنا دین چکانے کی قدرت ہوتے ہوئے اس کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنا۔

ظاہری خلاف شرع امور سے باہر عام دعوی' اسی طرح جن دعوؤں میں انکار وتردید کا دخل ہوتا ہے ان کی سماعت کے تعلق سے حسبہ قضاء سے قاصر ہے' لہذا محتسب کے لیے ایسے دعوی پر نظر ڈالنا جائز نہیں' کیونکہ حق کے اثبات پر بینہ سننے یا حق کے انکار پر حلف لینے کا محتسب کو اختیار نہیں ہے[17]۔

حسبہ کا درجہ قضاء سے اس لحاظ سے بڑا ہے کہ محتسب نیک کام کے حکم اور خلاف شرع کام سے ممانعت کی جس قدر صورتیں اس کے سامنے آتی ہیں' وہ سب پر نظر رکھتا ہے اگرچہ اس کے پاس کوئی فریاد لے کر نہ بھی آئے' قاضی اس کے برخلاف ہے' اسی طرح چونکہ محتسب کو خلاف شرع امور سے متعلق اقتدار کی طاقت اور رعب ودبدبہ حاصل ہوتا ہے' لہذا وہ سختی اور قوت کا اظہار کر سکتا ہے اور یہ اس کی طرف سے حد سے بڑھنا یا اپنے اختیار کو توڑنا نہیں مانا جائے گا' جب کہ قضاء انصاف دلانے کے لیے موضوع ہے' لہذا اس میں خصوصی طور پر قادر وبردباری ہونی چاہیے[18]۔

ولایت مظالم: مظالم لغت میں حاکم کے سامنے کسی ظلم کی شکایت اور قاضی کا اس کو ظالم سے انصاف دلانا اور اس کے خلاف اس کی مدد کرنا[19]۔ اصطلاح میں آپس میں ظلم کرنے والوں کو ڈرا دھمکا کر باہمی انصاف پر لانا اور ہیبت کے ذریعہ نزاع کرنے والوں کو انکار کرنے سے باز رکھنا' والی مظالم کو ان ہی امور پر نظر رکھنے کا اختیار ہوتا ہے جو قاضی کو حاصل ہیں' البتہ والی مظالم پر نظر ان امور کے لیے موضوع ہے جو قضاۃ کے بس سے باہر ہوتے ہیں' ولایت مظالم اقتدار کی بالادستی اور عدالتی انصاف سے مخلوط ولایت ہے[20]۔

قرآن میں لفظ قضاء:

فقضاهن سبع سماوات في يومين[21]۔ یعنی دو روز میں سات آسمان بنا دیے)' یعنی ان کو پیدا کیا اور بنایا' اس کا اطلاق عمل پر ہوتا ہے جیسے فرمان باری تعالیٰ: فاقض ما أنت قاض[22]۔ یعنی تو کر ڈال جو کچھ تجھے کرنا ہے) یعنی تم جو کرنا چاہو کرو۔

اور واجب کرنے اور حکم دینے پر جیسے فرمان باری ہے: " وقضى ربك ألا تعبدوا إلا إياه وبالوالدين إحسانا "[23]۔ یعنی تیرے پرورگار نے حکم دے رکھا ہے کہ بجز اسی ایک رب کے اور کسی کی پرستش نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک رکھنا' یعنی تیرے رب نے حکم دیا اور لازم کر دیا۔

اور اس کا اطلاق ادائیگی پر ہوتا ہے جیسے تم کہتے ہو یعنی قضیت دینی' میں اپنا دین ادا کر دیا' اور اسی معنی میں یہ فرمان باری تعالیٰ ہے: " فإذا

قضيتم الصلاة ''[24]۔ پھر جب تم اس نماز کو ادا کر چکو۔

اس کا اطلاق ابلاغ یعنی پہنچانے پر بھی ہوتا ہے جیسے آیت میں ہے: '' وقضينا إليه ذلك الأمر''[25]۔ یعنی اور ہم نے لوط کے پاس اپنا یہ فیصلہ بھیج دیا یعنی ہم نے یہ بات اس تک پہنچا دی۔

اس کا اطلاق عہد ووصیت پر بھی ہوتا ہے: ''وقضينا إلى بني إسرائيل في الكتاب''[26]۔ یعنی اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں یہ جتلا دیا تھا۔ یعنی ہم نے عہد لیا وصیت کی۔

اتمام یعنی تکمیل کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے جیسے کہ آیت میں ہے: '' فلما قضينا عليه الموت ''[27]۔ اور پھر ہم نے ان پر موت کا حکم طاری کر دیا یعنی ہم نے ان پر موت کو مکمل کر دیا۔

کسی چیز تک پہنچنے اور اس کو حاصل کرنے پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، تم کہتے ہو قضیت وطری میں اپنی ضرورت تک پہنچ گیا اور اس کو حاصل کر لیا اور قضیت حاجتی بھی اس معنی میں ہے[28]۔

شریعت میں قضاء:

قضاء مشروع ہے اور اس کی مشروعیت کتاب اللہ، وسنت رسول اللہ اور اجماع سے ثابت ہے کتاب اللہ میں اس کا ذکر ان آیات میں یوں ملتا ہے: ''يا داوود إنا جعلناك خليفة في الأرض فاحكم بين الناس بالحق ولا تتبع الهوى فيضلك عن سبيل الله ''[29]۔ یعنی اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین پر خلیفہ بنایا ہے، سو لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرتے رہیئے اور آئندہ بھی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کیجئے کہ وہ اللہ کے راستہ سے آپ کو بھٹکا دے گی۔ نیز فرمایا: '' وأن احكم بينهم بما أنزل الله ''[30]۔ (اور آپ ان لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے رہیے اسی قانون کے مطابق جو اللہ نے نازل کیا ہے)۔

سنت رسول اللہ ﷺ: حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' إذا حكم الحاكم فاجتهد ثم أصاب فله أجران، وإذا حكم فاجتهد ثم أخطأ فله أجر ''[31]۔ (اگر حاکم سوچ کر حکم دے پھر صحیح کرے تو اس کو دو اجر ملیں گے اور جو سوچ کر حکم دے غلطی کرے تو اس کو ایک اجر ملے گا) خود رسول اللہ ﷺ نے یہ منصب سنبھالا، حضرت علی کو یمن کا قاضی بنا کر روانہ کیا[32]۔ اور اسی طرح حضرت معاذ کو قاضی بنا کر روانہ کیا[33]، آپ کے بعد خلفاء راشدین نے بھی یہ منصب سنبھالا اور مختلف شہروں میں قاضی روانہ کیے۔

مندرجہ بالا لغوی اور اصطلاحی تعریفات سے درجہ ذیل نقاط سامنے آتے ہیں:

۱۔ مقدمات کا نبٹانا اور جھگڑوں کا ختم کرانا۔

۲۔ قضاء ایک ایسی اختیاری صفت ہے جو اپنے موصوف کے حق میں اس کے شرعی احکام کے نافذ العمل ہونے کو لازمی کر دیتی ہے، چاہے یہ

حکم کسی کو عادل قرار دینے کے بارے میں ہو یا مجروح قرار دینے کے بارے میں نیز اس صفت کا تعلق مسلمانوں کے عمومی یعنی ریاستی مصالح سے نہ ہو۔

۳۔ قضاء سے مراد واجب العمل قرار پانے کے لیے حکم شرعی سے آگاہ کرنا۔

۴۔ قضاء سے مراد خالق و مخلوق کے مابین واسطہ بن کر کتاب و سنت کے ذریعہ مخلوق کے مابین خالق کے امر واحکام کو ادا کرنا ہے۔

۵۔ قضاء سے مراد ہے دو یا زیادہ متنازعہ فریقوں کے مابین اللہ تعالی کے حکم کے مطابق جھگڑا ختم کرادینا۔

۶۔ کسی اقعہ میں اس شخص کے لیے حکم شرعی کو واضح کرنا جس پر اس معاملہ میں اس حکم شرعی پر عمل کرنا فرض ہو جائے[34]۔

قضاء کو حکم اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں حکمت پائی جاتی ہے کہ ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھ دیا جاتا ہے۔ جس کا جو حق ہے اسے دیا جاتا ہے ظالم کو ظلم سے روکا جاتا ہے۔

قضاء کے لیے عربی زبان میں عدل کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے یعنی قضاء کا آسان مطلب یہ ہے کہ عدل کیا جائے۔ عدل لغت کے اعتبار سے عدل کے معنی برابر اور انصاف کے ہیں۔ یعنی کسی چیز کو دو ایسے حصوں میں تقسیم کر دینا کہ کسی ایک میں کمی یا بیشی نہ ہو۔ عدل کہلاتا ہے۔ لیکن حقیقت میں کسی شے کا ٹھیک اپنے محل اور حدود کے اندر ہونے کا نام عدل ہے[35]۔ عدل کے معنی بھی سیدھا کرنا' انصاف کرنا' برابر کرنا کے ہیں[36]۔ جب کے عام اصطلاح اور قضاء کے نقطہ نظر سے عدل کا مفہوم یہ ہے کہ روزمرہ کے معاملات میں لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے ہوئے جج یا قاضی عدل وانصاف کے ساتھ حقوق عامہ کا یوں تحفظ کرے کہ کسی ایک کی بھی حق تلفی نہ ہو۔ اور شرعی اصطلاح میں قضاء کے معنی یہ ہیں کہ حکومت کے معینہ ادارے کی طرف سے قرآن وسنت اور شرعی احکام کی روشنی میں عوام الناس کے باہمی تنازعات کا تصفیہ کیا جائے اور مقدمات کے فیصلے کیے جائیں[37]۔

فقہی مفہوم میں یہ بہت جامع مفہوم ہے: " القصاءقول ملزم يصدر عن ولايةٍ عامةٍ "[38]۔ جس شخص کو ولایت حاصل ہو اس کا وہ حکم جو کسی چیز کو لازم کردے اس کو قضاء کہتے ہیں۔

منصب قضاء پر تقرری:

منصب قضاء پر متعین ہونے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ پہلی یہ کہ اسلامی ریاست کا سربراہ خود کسی شخص کو قضاء کا منصب پیش کرے اور دوسری یہ کہ کوئی خود قضاء کا منصب حاصل کرنے کا خواہشمند ہو اور وہ اس کے لیے درخواست کرے۔ جیسا کہ عصر حاضر میں اس کے لیے باقاعدہ قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد حکومت کی طرف سے منعقدہ امتحان میں کامیابی کے ذریعے اس منصب۔ فقہاء نے دونوں صورتوں کو بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اس ضمن میں فقہاء نے لکھا ہے کہ منصب قضاء کے لیے حکومت وقت کسی کو منصب قضاء پیش کرے تو اس کے لیے قضاء کا منصب قبول کرنا یا تو واجب ہوگا یا مندوب' اور بعض حالات میں مباح ہوگا یا مکروہ یا حرام۔ واجب ہونے کی صورت اہل شخص پر قضاء کا منصب قبول کرنا

واجب ہونا ہی قرین قیاس ہے جس کے علاوہ کوئی دوسرا اس کا اہل نہ ہو۔ ہاں امام احمد (م ۲۴۱ھ) کے نزدیک اگر اس جس کو یہ یقین ہو کہ اگر اس نے یہ منصب قبول کر لیا تو وہ کسی وجہ سے لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلے نہیں کر سکے گا[39]۔ فقہاء کے نزدیک اگر ایک شخص قضاء کا منصب سنبھالنے کی اہلیت رکھتا ہو مگر اس کے ساتھ ساتھ اس جیسی اہلیت کے اور لوگ بھی موجود ہوں تو اس کے لیے اس کو قبول کرنا مندوب ہو گا۔ فقہی تصریحات میں تیسری وہ حالت ہے کہ اگر بہت سے افراد قضاء کا منصب قبول کرنے لیے برابر اہلیت رکھتے ہوں اور انہی میں سے کسی ایک کو یہ منصب پیش کیا جائے تو ایسے شخص کے لیے قضاء کا منصب قبول کرنا مباح ہو گا۔

قاضی کے منصب کے تقرر کے لیے مطلوبہ شرائط:

جمہور فقہاء کے نزدیک شرائط یہ ہیں: اسلام' بلوغ' عقل' حریت' مرد ہونا' عادل ہونا' اجتہاد کی صلاحیت رکھنا' آنکھوں اور کانوں کا سلامت ہونا' بولنے کی صلاحیت وغیرہ۔

۱۔ اسلام: فقہاء کا اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے[40]۔ کہ مسلمانوں پر کسی غیر مسلم کو قاضی مقرر نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام میں قضاء کا مقصد احکام شریعت کی روشنی میں لوگوں کے باہمی جھگڑوں کا خاتمہ اور تنازعات کا تصفیہ کر کے حقدار کو اس کا حق دلانا اور مظلوم کی دادرسی کرنا ہے ۔ جب کہ کافر اللہ تعالی کے احکام کا منکر اور اسلامی شریعت کے احکام سے جاہل ہے اور اللہ تعالی کے قانون کے منکر کو مسلمانوں پر قضاء کا منصب نہیں سونپا جائے گا۔[41]

۲۔ بلوغ: فقہاء اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ قاضی کے منصب پر تقرری کے لیے بالغ ہونا شرط ہے[42]۔ اور کوئی بھی نابالغ قاضی مقرر نہیں کیا جاسکتا۔ فقہاء نے اس شرط کے وجوب کے لیے احادیث سے استدلال کیا ہے[43]۔

۳۔ عقل: فقہاء اسلام کا اس امر پر بھی اتفاق ہے کہ قاضی کے منصب پر تقرری کے لیے عقل شرط ہے[44]۔ یعنی کسی غیر عاقل یا پاگل و مجنون کو قاضی مقرر نہیں کیا جاسکتا۔ فقہاء اسلام قاضی کے منصب پر تقرر کے لیے مطلوبہ شخص میں عقل کی شرط پائے جانے کے لیے تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔ عصر حاضر میں بھی یہی طریقہ کار جو قانون کی تعلیم میں خصوصاً اعلی سند یافتہ ہو۔ نہ کہ عام شہری جو اس سلسلے میں اہلیت نہیں رکھتا۔

۴۔ آزاد: قاضی کے منصب پر تقرری کے لیے اس شرط کے بارے میں فقہاء اسلام کے دو اقوال ہیں:

جمہور فقہاء کے نزدیک ایک شخص کی قضاء کے منصب پر تقرری کے لیے اس کا آزاد ہونا بھی شرط ہے[45]۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قاضی کے منصب کے تقرر کے لیے کسی شخص کا آزاد ہونا شرط نہیں۔ چنانچہ کسی غلام کو بھی قاضی مقرر کیا جاسکتا ہے۔ فقہاء سلف میں سے بعض بلند پایہ فقہاء' جن میں قاضی شریح (م ۷۸ھ)' وابن سیرین (م ۱۱۰ھ)' اور ابن حزم الاندلسی (م ۵۴۶ھ) شامل ہیں کا یہی قول ہے اور بعض حنابلہ بھی اس کی تائید کرتے ہوئے غلام کی قضاء کے منصب پر تقرری کے لیے اس کے آقا کی اس میں اجازت اور رضامندی سے اس کو مشروط کرتے ہیں[46]۔

۵۔ قاضی کے لیے جنس کی شرط:

قاضی کے منصب کے لیے جنس کی شرط کے ضمن میں فقہاءِ اسلام کی تین طرح کی آراء سامنے آتی ہیں:

ا۔ قاضی کے منصب کے تقرر کے لیے مرد ہونا شرط ہ اور عورت کو کسی صورت میں قاضی مقرر نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ عورت نہ تو ان معاملات میں قاضی مقرر کی جاسکتی ہے جو صرف مردوں کے درمیان واقع ہوتے ہیں اور نہ ہی ان میں جو مردوں اور عورتوں کے درمیان ہوتے ہیں۔ اسی طرح عورت کو حدود و قصاص اموال اور دیگر کسی بھی معاملہ میں قاضی مقرر نہیں کیا جاسکتا۔ جمہور فقہاءِ اسلام کا یہی مذہب ہے [47]۔ اور وہ اپنے اس مذہب کی تائید میں قرآن کریم' سنت رسول' اجماعِ امت سے استدلال پیش کرتے ہیں مثلاً:

قرآن کریم کی آیت: "الرجال قوامون علی النساء" [48]۔ اس آیت کریمہ میں مرد کو عورت پر قیم کہا گیا ہے اور یہ آیت کریمہ قیم ہونے کی اس صفت کو مرد کے لیے مختص کرتی ہے۔ چنانچہ اگر عورت کے لیے قضاء کا منصب حاصل کرنا جائز قرار دیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوگا کہ عورت کو مرد پر برتری ہو جائے گی' جو صرف مرد کے لیے ہی مختص ہے اور اس طرح یہ امر مذکورہ آیت کے حکم کے بالکل خلاف ہوگا۔

سنت رسول اللہ ﷺ: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تعالی عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم کو جب یہ معلوم ہوا کہ اہل فارس نے کسری کی بیٹی کو اپنا حکمران مقرر کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی جس نے عورت کو اپنے امور کا نگہبان بنایا [49]۔

اسی طرح ایک اور حدیث حضرت ابو بریدہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" قاضی تین قسم کے ہیں' جن میں ایک جنتی اور دو جہنمی ہیں۔ وہ شخص جس نے جانتے بوجھتے حق کے خلاف فیصلہ کیا وہ جہنمی ہے۔ اسی طرح وہ شخص جس نے علم نہ رکھنے کے باوجود لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا اور لوگوں کے حقوق ضائع کیے وہ بھی جہنمی ہے اور وہ شخص جس نے حق کے ساتھ فیصلہ کیا وہ جنتی ہے [50]۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے قاضی کے لیے رجل کا لفظ استعمال فرمایا ہے جو اپنے منطوق کے لحاظ سے اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ قاضی مرد ہو اور اپنے مفہوم کے لحاظ سے اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ عورت قضاء کے منصب کی اہل نہیں ہو سکتی۔

اس ضمن میں جمہور کا یہ استدلال ہے کہ خلفاءِ راشدین اور اس کے بعد اسلامی ریاست کا سربراہ بننے والوں نے ہر دور میں متعدد افراد کو قاضی مقرر کیا لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی عورت کو بھی یہ منصب سونپا گیا ہو اور اگر عورت کو قاضی مقرر کرنا جائز ہوتا تو خلفائے راشدین اور ان کے بعد آنے والے ضرور عورتوں میں سے بھی قاضی مقرر کرتے۔ خلفائے راشدین اور ان کے بعد منصب خلافت سنبھالنے والوں کی طرف سے عورت کو قضاء کا منصب سپرد نہ کرنا اس امر پر اجماع کا درجہ رکھتا ہے کہ اسلامی ریاست میں عورت کو قاضی مقرر نہیں کیا جاسکتا۔[51]

فقہاءِ جمہور کا استدلال:

قاضی کو اپنے فرائض منصبی ادا کرنے کے لیے مردوں کی محفلوں سے سابقہ پیش آتا ہے' اسے متخاصم گروہوں کے اقوال سننے پڑتے ہیں۔ گواہوں کی شہادت اور مطلوبہ معاملہ میں حق تک پہنچے کے لیے دیگر تحقیقات کے دوران اس کا زیادہ تر معاملہ مردوں ہی سے پڑتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کسی معاملہ کی تہہ تک پہنچنے کے لیے قاضی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ کمال درجے کا فہم رکھتا ہو اور ہر امر میں صاحب

رائے ہونے کے ساتھ ساتھ فیصلہ کرنے کی بھی قوت کا حامل ہو اور کسی بھی حالت میں اپنے جذبات کی رو میں بہنے والا نہ ہو' لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عورت اس معیار پر پوری نہیں اترتی۔ چنانچہ عورت مردوں کی محفل میں شریک نہیں ہو سکتی۔ شرعاً اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ غیر محرم مردوں کو دیکھے اور نہ ہی کسی غیر محرم مرد کے لیے عورت کو دیکھنا جائز ہے۔ اسی طرح وہ کسی بھی معاملہ کی تحقیقات کے لیے مطلوبہ کاروائی کی اہل نہیں ہوتی۔ دوسری طرف مرد کے مقالہ میں کم عقل اور ناقص تفکر کی مالک ہوتی ہے۔ وہ صاحب رائے نہیں ہوتی اور فیصلہ کی قوت بھی نہیں رکھتی۔ علاوہ ازیں وہ وقتی جذبات سے مغلوب ہو جاتی ہے اور اس میں موجود رحمت و شفقت کا مادہ بھی اس کے فیصلہ پر اثر انداز ہونے کا احتمال رکھتا ہے۔ اس لیے ان وجوہات کے بناء پر عورت کو قاضی یا جج مقرر کرنا عقلاً درست نہیں۔[52]

جہاں تک ایسی مثالوں کا تعلق ہے جن میں مردوں کے مقابلہ میں عورتوں نے اپنے آپ کو زیادہ باصلاحیت ثابت کیا ہے۔ تو ایسی مثالیں بہت ہی شاذ و نادر ہیں اور شریعت اسلام کے احکامات کسی امر نادر کے بجائے امر غالب کی بنیاد پر مرتب ہوتے ہیں۔

۲۔ فقہاء احناف کے نزدیک حدود و قصاص سے تعلق رکھنے والے معالات کے علاوہ دیگر تمام معاملات میں عورت کو قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے[53]۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ عورت حدود و قصاص کے علاوہ دیگر تمام معاملات میں گواہی دینے کی اہل ہے اور اگر وہ شہادت دینے کی اہل ہے تو وہ ان معاملات میں قضا کی بھی اہل ہو گی۔ چنانچہ ان معاملات میں عورت کو قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ فقہاء سلف میں سے بعض' جن میں امام ابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) اور امام ابن حزم الظاہری شامل ہیں' کے نزدیک عورت کو معاملات میں قضاء کا منصب سپرد کیا جا سکتا ہے' خواہ یہ معاملات مالی تنازعات سے متعلق ہوں یا حدود و قصاص سے متعلق ہوں' عورت مرد ہی کی طرح تمام معاملات میں فیصلہ کے لیے قاضی مقرر کی جا سکتی ہے۔ فقہاء کا یہ گروہ اپنے مذہب کی تائید ان دلائل سے پیش کرتا ہے[54]:

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے : إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها وإذا حكمتم بين الناس أن تحكموا بالعدل[55]۔

امام ابن حزم اس آیت سے اپنے موقف پر استدلال کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت عام ہے اور عورت و مرد' آزاد و غلام سب اس کے مخاطب ہیں اور دین کے احکام سب کے لیے ایک جیسے ہیں' ماسوائے اس کے کہ کسی کے لیے تخصیص وارد ہوئی ہو۔ لیکن شریعت میں ایسی کوئی نص نہیں ملتی جس میں عورت کو اس آیت کے حکم سے مستثنیٰ کیا گیا ہو' لہذا عورت کو بھی قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے۔

امام ابن حزم الظاہری فقہاء جمہور کی طرف سے عورت کو قضاء کا منصب سپرد نہ کرنے کے بارے میں اس حدیث نبوی کے بارے میں وہ قوم فلاح نہیں پا سکتی جس نے عورت کو اپنے امور کا نگہبان بنایا' یہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد عورت کو خلافت کا منصب سپرد کرنے سے منع کرتا ہے اور اس کی روشنی میں عورت کو مملکت کا سربراہ نہیں بنایا جا سکتا۔ جہاں تک قضاء کا تعلق ہے تو عورت کو قضاء کا منصب سپرد کیا جا سکتا ہے۔ اور مذکورہ حدیث عورت کو قاضی مقرر نہ کرنے پر دلالت نہیں کرتی۔ نبی کریم ﷺ سے ایک اور حدیث مروی ہے کہ آپ نے فرمایا عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی نگہبان ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہے' امام ابن حزم کے نزدیک یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ عورت سربراہ ریاست کے علاوہ تمام مناصب کی اہلیت رکھتی ہے اور سربراہ مملکت بھی

صرف اسی لیے نہیں بن سکتی کہ حدیث میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔

امام ابن حزم الظاہری نے مذکورہ جس آیت کریمہ سے عورت کو قضاء کا منصب سپرد کرنے کے بارے میں استدلال کیا ہے جمہور فقہاء اسلام اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ اس آیت کریمہ کا حکم عام ہے لیکن حضور ﷺ کی یہ حدیث "لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة" آیت کے حکم عام کی تخصیص کرتی ہے اور یہ عورت کو قضاء کا منصب سپرد نہ کرنے پر دلیل ہے۔ اسی طرح جمہور فقہاء اسلام امام ابن حزم کی طرف سے مذکورہ حدیث کو خلافت کے منصب کے لیے مخصوص کرنے اور اس سے یہ استدلال لینے کہ عورت صرف سربراہ مملکت نہیں بن سکتی جب کہ اسے قاضی بنایا جاسکتا ہے' اور یہ حدیث قضا کا منصب سپرد کرنے میں مانع نہیں ہوتی' کا یہ جوابدیتے ہیں کہ حدیث مبارکہ میں ولو کا لفظ وارد ہوا ہے اور ولایت عام بھی ہوسکتی ہے اور خاص بھی عام ولایت سربراہ ریاست کی ہے اور خاص میں قضاء شامل ہے اور اس حدیث کی رو سے عورت کو عام وخاص دونوں ولایا سپرد نہیں کی جاسکتیں۔ اسی طرح امام ابن حزم کا یہ قول مذکورہ حدیث عورت کے سربراہ ریاست بنانے سے ممانعت کے بارے میں وارد ہوئی ہے' درست نہیں بلکہ یہ ہر طرح کی ولایت سے منع کرتی ہے۔

امام ابن حزم عورت کو قاضی مقرر کرنے کو جائز قرار دینے کے حق میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل کو بھی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں: " أنه ولى الشفاء امرأةً من قومه السوق " یعنی آپ نے اپنے عہد خلافت میں اپنے خاندان کی ایک عورت جس کا نام الشفاء تھا بازار کی نگرانی پر مقرر کیا تھا اور چونکہ عورت کو بازار کی نگرانی پر مقرر کرنا اور عورت کو قاضی بنانا دونوں ولایت سے متعلق امور ہیں' اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت کو قاضی مقرر کیا جاسکتا ہے[56]۔

واضح رہے کہ جمہور فقہاء اسلام حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی اس واقعہ کی صحت کے منکر ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کی نسبت کو تسلیم نہیں کرتے۔ علامہ ابو بکر ابن العربی (م ۵۴۳ھ) اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں یہ واقعہ صحیح نہیں اور نہ ہی حضرت عمر سے اس کی نسبت صحیح ہے' لہذا اس کی طرف التفات درست نہیں[57]۔

علامہ ابن جریر الطبری عورت کو ہر قسم کے معاملات میں قاضی مقرر کرنے کے جواز پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ عورت تمام معاملات میں فتوی دینے کی اہل ہے اور اگر وہ ہر قسم کی معاملات میں فتوی دے سکتی ہے تو اسے بلا تخصیص ہر معاملہ میں قاضی بھی مقرر کیا جاسکتا ہے۔[58]

علامہ ابن جریر طبری کی اس دلیل کا جمہور فقہاء اسلام نے یہ جواب دیا ہے کہ قضاء اور افتاء میں بہت بڑا فرق ہے چنانچہ افتاء میں مفتی کے فتوی کی کوئی الزامی حیثیت نہیں ہوتی یا اسے قبول کرے اور یا رد کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ جب کہ قضاء میں قاضی کا فیصلہ الزامی حیثیت رکھتا ہے اور فریقین اس فیصلہ کی پابندی پر مجبور ہوتے ہیں۔ اس طرح عورت کی افتاء کی اہلیت کو اس کے قضاء کے منصب کے لیے اہلیت پر قیاس کرنا درست نہیں۔ علامہ ابوالحسن الماوردی فرماتے ہیں جہاں تک عورت کے فتوے اور گواہی کے لیے اس کی اہلیت کا تعلق ہے تو یہ اس لیے ہے کہ ان امور میں کوئی ولایت نہیں اس لیے علم حاصل کرنے میں عورت کے لیے کوئی ممانعت نہیں۔ لیکن جہاں تک ان امور کا تعلق ہے جو کسی قسم کی ولایت سے متعلق ہیں تو وہ عورت کے سپرد نہیں ہوسکتے[59]۔

بعض علماء معاصرین کی آراء:

خواتین کے بطور قاضی تقرری کے حوالے سے معاصر علماء کی بھی ایک اہم رائے ہیں جو وقت وحالات کے پیش نظر دی گئیں ہیں جن میں چند کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:

مولانا اشرف علی تھانوی (م۱۹۴۳م) **مذکورہ حدیث** " لن یفلح قوم ولوا أمرھم امرأة "کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ حکومت کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جو تام بھی ہو عام بھی ہو' تام سے مراد یہ کہ حاکم بانفرادہ خود مختار ہو' یعنی اس کی حکومت شخصی ہو' اور اس کے حکم میں کسی حاکم اعلیٰ کی منظوری کی ضرورت نہ ہو' گو اس کا حاکم ہونا' اس پر موقوف ہو' اور عام یہ کہ اس کی محکوم کوئی محدود قلیل جماعت نہ ہو' دوسری قسم وہ ہے جو تام تو مگر عام نہ ہو۔ تیسری قسم وہ جو عام ہو مگر تام نہ ہو' مثال اول کی' کسی عورت کی سلطنت یا ریاست بطرز مذکور شخصی ہو' مثال ثانی کی' کوئی عورت کسی مختصر جماعت کی منتظم بلاشرکت ہو' مثلاثالث کی' کسی سلطنت جمہوری ہو کہ اس میں والی صوری درحقیقت والی نہیں بلکہ ایک رکن مشورہ ہے' اور والی حقیقی مجموعہ مشیروں کا ہے۔ حدیث کے الفاظ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد حدیث میں پہلی قسم ہے چنانچہ سبب ورد اس حدیث کا کہ اہل فارس نے دختر کسریٰ کو بادشاہ بنایا تھا۔ انہوں نے اس کی تصریح کی ہے کہ چونکہ آج کل کے عہدہ منصب ریاست میں آج کل زیر فرمان عورتوں کی حیثیت مذکور قسم اول میں داخل نہیں اس لیے کہ اگر اس کی محکومین کو مختصر۔۔۔ قرار دیا جائے تب تو وہ قسم ثانی ہے۔ لہذا عورت موجودہ حالات میں قاضی بن سکتی ہیں حدود وقصاص کے علاوہ[60]۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی(م۲۰۱۰ء) نے لکھا ہے کہ عورت قاضی بن کر ہر معاملہ کی سماعت اور فیصلہ کر سکتی ہے۔ بجز حدود وقصاص کے مقدمات کے کہ ان کی سماعت خاتون نہیں کر سکتی' جس طرح اس کی شہادت حدود وقصاص میں درست نہیں اسی طرح اس کا فیصلہ بھی درست نہیں[61]۔ جب کہ موصوف اپنی رائے میں حدود وقصاص میں بھی خواتین کی شہادت کے قائل نظر آتے ہیں۔[62]

ڈاکٹر یوسف القرضاوی(پ۱۹۲۶ء) نے جس نظریہ کا اظہار کیا ہے وہ بھی قائل ہیں۔ انہوں نے وضاحت کی کہ اس سے قبل ۲۰ ویں صدی کے وسط میں الازہر کی طرف سے جاری کیا گیا ایک فتویٰ - اس میں عام عوامی عہدے مردوں کے لیے ہے - اس وقت کے حالات کے تناظر میں دیا تھا۔ ان کے بقول ، اگر فتویٰ دینے والے شیخ آج زندہ ہوتے اور اس وقت کی رونما ہونے والی معاشرتی تبدیلیوں اور حالات کا مشاہدہ کرتے ، تو شاید نئے اجتہاد (آزاد استدلال) کی ضرورت ہوتی ، وہ اپنا نظریہ بدل سکتے۔[63]

وہ اس خیال کی تردید کرتے ہیں کہ ملکہ سباء کے حوالے سے جو بات مشہور ہے کہ خواتین کو اختیار نہیں دیا جانا چاہئے یا فیصلہ کرنے کی اجازت نہیں دی جانی چاہئے۔ یا حدیث کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی جس نے عورت کو اپنا حکمران بنایا۔ اس حدیث میں یہ خبر دی گئی ہے کہ عورت کو حکمران بنانے والی قوم ہر گز کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اس لیے عورتوں کو کسی قسم کا منصب عطا کرنا جائز نہیں۔ مذکورہ حدیث اور قرآنی آیت کو بطور دلیل پیش کرنا سراسر غلط ہے کیونکہ ان میں عورتوں کی عہدہ و منصب سے محروم کرنے والی کوئی بات نہیں کی

گئی ہے۔ حدیث میں جس بات کا ذکر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مطلق العنان حکمران نہیں بن سکتی اور اہل کسری نے کسری کی موت کے بعد اس کی بیٹی کو اپنا حکمران بنالیا تھا جو مطلق العنان حکمران ہوا کرتے تھے۔ مزید یہ کہ قرون وسطی کے زمانے میں بھی ، یہ خیال موجود تھا کہ چونکہ جج کو جنگ میں فوج کی رہنمائی نہیں کرنی پڑتی ہے ، لہذا ایک عورت عدالتی دفتر میں تقرری کے لئے اتنی ہی اہل ہے جتنا مرد۔[64]

وہبہ زحیلی(م ۲۰۱۵ھ) لکھتے ہیں کہ یہ عہدہ قضاء کامل رائے کا محتاج ہے اس میں کامل عقل وفطانت' معاملات زندگی کے تجربہ کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ صفات مرد میں پائی جاتی ہیں جب کہ عورت کی عقل ناقص ہوتی ہے' وہ معتبر رائے نہیں رکھتی چونکہ عورت کا تجربہ کم ہوتا ہے۔ نیز قاضی کو مردوں کی مجالست فقہاء گواہوں ور مفتیان کے ساتھ مل جل کر بیٹھنا پڑتا ہے جب کہ عورت کی لیے تو مردوں کے ساتھ مل جل کر بیٹھنا ممنوع ہے۔ لیکن وہ حنفیہ کی رائے کو ترجیح دیتے ہیں کہ دیوانی مسائل ومقدمات میں عورت قاضی بن سکتی ہے چونکہ معاملات میں عورت کی گواہی جائز قرار رکھی گئی ہے۔ انہوں نے ابن جریر طبری کی رائے کا ذکر بھی کیا کہ اگر عورت کا مفتی ہونا جائز ہے تو قاضیہ ہونا بھی جائز ہے۔[65]

ان آراء کی تائید تاریخی روایت سے بھی ملتی ہے مثلاً:

حسبہ کے منصب پر عورت کی تقرری: حسبہ احتساب سے ماخوذ ہے اور اس سے مراد حسب تدبیر امور کی انجام دہی ہے۔ اصطلاح میں نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنے کا نام حسبہ ہے[66]۔ بعض فقہاء عورت کے محتسب کے عہدے پر فائز ہونے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اور اس کے جائز ہونے دلیل وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل سے لیتے ہیں کہ جب انہوں نے الشفاء بنت عبداللہ کی رائے کو سب کی رائے پر مقدم رکھا[67]۔ اور کتاب الاستعیاب میں اس کا ذکر ہے کہ نبی کریم ﷺ نے **سمراء بنت نهيك الأسدي** کو حسبہ کے عہدہ پر مقرر کیا[68]۔ دوسری طرف بعض فقہاء اس کو عام ولایت میں شمار کر کے اس کے عدم جواز کا فتوی دیتے ہیں[69]۔ اس میں راجح قول یہی معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا ولایت حسبہ پر تقرر جائز ہے۔

معاصر مسلم دنیا میں خواتین کی بطور ججز تقرری:

۱۹۷۴ء میں پہلی خاتون ، خالدہ راشد خان ، کو پاکستان میں بطور اینٹی کرپشن جج کے عہدے پر مقرر کیا گیا تھا ، اس کے بعد انہیں ۱۹۹۴ء میں ہائی کورٹ میں جسٹس۔ اور 2003 میں وہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے ذریعہ منتخب ہونے والی مستقل جج کے طور پر نامزد ہوگئیں۔ پاکستان کی وفاقی شرعی عدالت نے بھی اسلامی دلائل کی بنیاد پر خواتین ججوں کی تقرری کی توثیق کی ہے۔[70]

پاکستان میں اس وقت تعلیم کے شعبہ میں خواتین کی تعداد روز افزوں زیادہ ہوتی جارہی ہے یعنی طب' معیشت' سیاسیات وغیرہ کے شعبہ میں خواتین اعلی تعلیم حاصل کررہی ہیں تو وہاں قانون میں بھی سند یافتہ خواتین کی کوئی کمی نہیں ہے' اور اسی طرح باقی مسلم دنیا میں بھی

خواتین میں قانون کی تعلیم کے حصول کے رجحانات میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ بہت ساری خواتین بطور ججز خدمات سرانجام دے رہی ہے۔ انڈونیشیا دنیا میں سب سے زیادہ مسلم اکثریت والا ملک ہے' نے اقوام متحدہ کے چارٹر کے مطابق فرائض منصبی میں مرد وعورت میں کوئی تفریق نہیں رکھی:

"In 1989, the Religious Judiciary Act codified the selection and appointment of female Islamic court judges"[71]-

واضح رہے کہ پہلی بار خواتین ججز کی تقرری ۱۹۶۴ میں عمل آئی تھی جن میں دو خواتین Civil ججز اور ۵ خواتین پارٹ ٹائم اسلامی عدالت میں بطور ججز منتخب ہوئیں۔[72]

انڈونیشیا میں ججز سرکاری طور پر اپنا فرائض منصبی ادا کرتے ہیں اور ججز کو وزارت انصاف منتخب کرتے ہیں۔ ۱۹۸۹ء میں پہلی بار اسلامی عدالت کے ججوں کی تقرری میں دو خواتین ججز کا بھی انتخاب کیا گیا۔ اور اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ خواتین ججز کا ہونا ضروری ہے۔ عدالتی پینل میں خواتین جب بطور ججز نامزد ہونے لگیں تو اس بارے میں وہاں کے بعض حلقوں نے تشویش کا اظہار کیا تھا۔ تاہم اب وہاں پر خواتین کا عدلیہ میں کردار زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ خواتین کے مسائل کے حوالے سے خواتین ججز کی پینل میں موجودگی خواتین کے مسائل کے حل میں اہم کردار کرتی ہے۔[73]

مصر میں بھی تقریباً یہی صورت حال رہی ۱۹۲۳ میں مصر کے آئین میں مرد وعورت دونوں کو برابر جنس قرار دیا گیا[74]۔ ۱۹۵۶ کے آرٹیکل ۳۱ میں بیان کیا گیا ہے کہ مصری قانون کے سامنے سب برابر ہیں حقوق اور عوامی فرائض میں جنس کی کوئی تمیز نہیں۔ تاہم خواتین کا بطور ججز تقرری کو مناسب نہیں سمجھا گیا۔ اس ضمن میں ۱۹۷۹ء میں دو خواتین نے ججز شپ کے لیے درخواست دی تاہم جنس کی بنیاد پر وہ دور خواستیں نامنظور ہوئیں۔[75]

اور اس سے پہلے ازہر یونیورسٹی کے علماء نے ۱۹۵۲ میں فتوی دیا تھا کہ عورت کی تقرری بحثیت قاضی یا جج کے حوالے سے تین فقہی مسالک میں جائز نہیں یعنی اکثریت نے اس کو جائز نہیں سمجھا' تاہم حنفی مسلک میں اس کی گنجائش موجود ہے۔[76]

۱۹۸۸ میں ایک خاتون جنہوں نے قانون کی اعلی تعلیم حاصل کی جج کے عہدے کے لیے درخواست دائر کی لیکن صنفی تفاوت کی بنیاد پر اس کو رد کیا گیا' ۱۹۹۰ میں موصوفہ نے اعلی عدالت میں اپیل دائر کی لیکن وہ بھی بے سود رہی۔ آخر کار ۲۰۰۰ء میں مصر کے اس وقت کے صدر حسن مبارک نے طہانی نامی ایک قانون دان خاتون کا پہلی مرتبہ مصر میں جج کے طور پر تقرر کیا۔ اور اسی طرح ۲۰۰۳ء میں مصر میں حنفی مسلک کو اس حوالے سے اپنایا گیا اور وہاں پر باقاعدہ طور پر اس کی اجازت دی گئی۔ جس کے تناظر میں صدر حسن مبارک نے ۲۰۰۷ء میں مزید ۳ خواتین ججز کی تقرری کی۔

مصر اور انڈونیشا کے برعکس ایران ایک اسلامی جمہوریہ ہے ایران کے ۱۹۳۴ کے آئین میں پہلی مرتبہ ججز کے معیار کو اہلیت کی بنیاد پر رکھا گیا۔ یعنی اس میں مرد وعورت کی کوئی تخصیص نہیں۔ تاہم ۱۹۷۰ کے انقلاب کے بعد آیت اللہ خمینی نے خواتین کی بطور ججز کی تقرری پر پابندی

لگادی۔ لیکن خواتین نے اس سلسلے میں پر زور مطالبہ کیا کہ ان کو انتظامی عہدوں پر تقرر کیا جائے جس میں جج بھی شامل تھے۔ تاہم اس تحریک کو کامیابی حاصل نہ ہو سکی اور ایران میں کوئی بھی قابل خاتون جو قانون میں مہارت رکھتی ہو بطور قانونی مشیر کے کام کر سکتی ہے لیکن بطور جج کے نہیں۔

عراق اور مشرق وسطی میں اکثر ریاستوں میں خاتون بطور ججز کام کرتی نظر آتی ہیں۔ لیکن بعض عرب ملکوں مثلاً سعودی عرب اور بحرین وغیرہ میں ابھی تک کوئی ایسی دلیل نہیں ملی کہ وہاں کوئی خاتون جج یا وکیل کے طور پر فرائض سرانجام دیتی ہو[77]۔

نتائج بحث:

اس بحث سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

خواتین کے مسائل کو ایک خاتون زیادہ بہتر انداز میں سمجھ سکتی ہے۔ اور دنیا کے اکثر اسلامی ملکوں میں خواتین مختلف قسم کے حقوق حاصل کرنے کے لیے عدالت سے رجوع کرتی ہیں' تو وہاں مرد قاضی یا جج کے سامنے ممکن ہے وہ اپنی بات کو واضح انداز میں بیان نہ کر سکیں۔ تو اگر گنجائش کو دیکھا جائے تو اس میں عصری تقاضوں کے مطابق زیادہ گنجائش موجود ہے کیونکہ فقہی اصول اور ضابطہ بھی یہی ہیں کہ حالات کے مطابق اجتہاد اور مقاصد کو سامنے رکھا جائے۔

ملکی سطح پر بھی جو قوانین بنائے جاتے ہیں ان میں عورتوں کو مردوں کے شانہ بشانہ رکھ کر مساوی حقوق دینے کی کوشش کی جاتی ہے مگر اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ مغربی ممالک ہوں یا مشرقی ممالک وہ عورت کو مساوی حقوق دینے سے قاصر رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم مختلف ممالک کے دساتیر میں عورت کو بغیر کسی دباؤ کے وزارت میں شمولیت کا اختیار دیا جاتا ہے۔ مثلاً پاکستان کے دستور کے مطابق ہر وہ شخص وزیر بن سکتا ہے جو رکن پارلیمنٹ ہو خواہ مرد ہو یا عورت۔ تو یہ تمام وہ صورتیں ہیں کہ جن میں عورت کو حقیقی یا معنوی شمولیت کا اختیار دیا جا رہا ہے۔ حکمرانی میں عورت کے اس کردار کے خلاف بظاہر کوئی وزنی شرعی دلیل موجود نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ عورت کے لیے حجاب کے مسائل ہوں گے۔ اگر کوئی عورت حجاب کے ضروری تقاضے پورے کرنا چاہے تو حجاب کے ساتھ بھی ذمہ داریاں نباہ سکتی ہے۔ لہذا عورت اگر قابل اور اہلیت رکھتی ہو تو بطور جج اس کے کردار کو جائز سمجھا جائے۔

عورت کی قانونی رائے (فتویٰ) اتنی ہی جائز ہے جتنا مرد کی قانونی رائے۔ اس طرح ایک عورت قانونی طور پر مفتی، قانونی ماہر ہوسکتی ہے ، حالانکہ بعض اوقات ججز اور سیاسی اقتدار کے حامل افراد بھی اس بارے میں ماہر نہیں ہو سکتے۔

اس ضمن میں حنفی فقہاء اور اہل ظواہر کے ساتھ معاصر علماء کی آراء کو ملحوظ رکھتے ہوئے خواتین کا قاضی کے منصب پر تقرر احسن اقدام ہوگا۔ جیسا کہ وفاقی شرعی عدالت نے اپنے فیصلہ میں اس بات کی توثیق کی ہے۔

سفارشات:

عورتوں میں فیصلہ سازی کے امور کو بہتر بنانے کے لیے درج سفارشات کی جاتی ہیں:

۱۔ خواتین کے مخصوص مقدمات کو خواتین ججز کو سونپا جائے۔

۲۔ خواتین کے لیے ججز کورسسز کا اہتمام کیا جائے۔

۳۔ فیصلہ سازی کو جنس کی بنیاد پر نہیں بلکہ اہلیت کی بنیاد پر کیا جائے۔

۴۔ عائلی مقدمات نمٹانے کے لیے خواتین ججز کا ہونا ضروری ہے اگرچہ پاکستان ' مصر' انڈونیشیا' ملائشیا' عراق او راردن میں خواتین کو ان مقدمات میں بطور ججز ترجیح دی جاتی ہے۔ تاہم ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کے لیے اسلامی ملکوں میں باقاعدہ قانون سازی کی جائے اور اس امر کو یقینی بنایا جائے کہ خواتین کو بطور ججز کام کرنے میں مشکلات کا سامنانہ کرنا پڑے۔ واقعتاً عدلیہ میں خواتین کا کردار ایک چیلنج سے کم نہیں ہے۔ لیکن عصر حاضر کے مسائل اور ضرورت کے پیش نظر خواتین کا بطور ججز تقرر نا گزیر ہے۔

حوالہ جات

1. ابن منظور' محمد بن مکرم الافریقی' لسان العرب' دار صادر' بیروت۔ لبنان' ۱۹۸۸ء' مادة ق ض ی' ج ۱۳' ص ۱۲۳۔
2. ابوالبرکات' احمد بن محمد الدردیر' الشرح الصغیر' طبع قاہرہ' ج ۴' ص ۷۵۔
3. ابن منظور' لسان العرب' ص ۱۲۴
4. الزبیدی' السد مرتقضی' تاج العروس' دار الکتب العلمیہ بیور' لبنان' مادة ق ض ی
5. ابن عابدین' رد المختار' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۹۸۸ء ج ۵' ص ۳۵۳
6. الشرح الصغیر' ج ۴' ص ۳۵۴ و ابن فرحون' تبصرة الحکام' دار الفکر بیروت' ج ۱' ص ۱۲
7. کاسانی' علاؤالدین ابو بکر مسعود' بدائع الصنائع' طبع بیروت' ۱۹۷۳ء' ج ۷ ص ۳۰۶
8. طرابلسی' علاؤالدین' شیخ' معین الاحکام' دار معرفة' مصر' ۱۳۱۰ھ' ص ۶
9. الشربنی' شمس الدین محمد بن احمد' مغنی المحتاج' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۹۹۴ء' ج ۴' ص ۱۸۶ و حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج ج ۵' ص ۲۳۴
10. البہوتی' منصور بن یونس بن صلاح الدین' کشاف القناع عن متن الاقناع' دار الکتب العلمیہ بیروت' سطن' ج ۶' ص ۲۸۵۔ ا
11. ابن عابدین' رد المختار' ج ۳' ص ۱۳۸۔
12. ابن منظور' لسان العرب' ج ۱۰' ص ۲۳۱' مادة '' فتی ''۔
13. البہوتی' منصور بن یونس بن صلاح الدین' شرح منتہی الارادات' عالم الکتب' بیروت' ۱۹۹۳ء ج ۳' ص ۴۵۶ و کشاف القناع' ج ۶' ص ۲۹۹۔
14. وزارۃ الاوقاف والشؤمن الاسلامیہ' موسوعۃ الفقہیہ' دار السلاسل' الکویت' ۱۴۲۷ھ' ج ۳۳' ص ۳۰۵
15. ابن عابدین' رد المختار' ج ۵' ص ۴۲۸
16. الماوردی' ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب' الاحکام السلطانیہ' دار الحدیث' القاہرہ' سطن ' ص ۲۲۲۔
17. موسوعۃ الفقہیہ ج ۲۲' ص ۳۰۶۔
18. ابی یعلی' محمد بن الحسن بن محمد بن خلف' القاضی' الاحکام السطانیہ' تحقیق: محمد حامد الفقی' دار الکتب العلمیہ' بیروت' لبنان' ۲۰۰۰' ص ۲۶۹۔

19. ابن منظور، لسان العرب، مادۃ" ظلم"۔
20. الماوردی، الاحکام السلطانیہ، ص۲۴۳
21. القرآن ۴۱: ۱۲
22. القرآن ۲۰: ۷۲
23. القرآن ۱۷: ۲۳
24. القرآن ۴: ۱۰۳
25. القرآن ۱۵: ۶۶۔
26. القرآن ۱۷: ۴
27. القرآن ۳۴: ۱۴
28. الفیومی، المصباح المنیر، دارالفکر بیروت، مادی" قضی"۔
29. القرآن ۳۸: ۲۶
30. القرآن ۵: ۴۹
31. بخاری، محمد بن إسماعیل أبو عبداللہ، الجامع الصحیح، تحقیق: محمد زہیر بن ناصر الناصر، دار طوق النجاۃ، ترقیم فواؤد عدالباقی، ط ۱، ۱۴۳۳ھ، ج ۹، ص ۱۰۸، حدیث نمبر ۷۳۵۲۔
32. حدیث ان النبی ﷺ بعث علیا الی الیمن قاضیاً کی روایت ابوداؤد ج ۴، ص ۱۱ کی ہے۔
33. حدیث ان النبی ﷺ بعث معاذاً قاضیاً۔۔۔ کی روایت ترمذی نے الجامع الصحیح، میں نقل کیا ہے ج ۳، ص ۶۰۷ اور فرمایا اس حدیث کو ہم صرف اسی سند سے جانتے ہیں میرے نزدیک اس کی سند متصل نہیں۔
34. حصکفی، علاء الدین، الدرر المختار مع حاشیہ ابن عادبین، ج ۵، ص ۳۵۲ ذالتونسیں، محمد بن عرفہ، شرح حدود ابن عرفہ، ص ۴۳۳ ذالخطاب، محمد بن محمد، مواہبالجلیل، ج ۶، ص ۶۷ ذابن فروعون المالکی، تبصرۃ الحکام ج ۱، ص ۱۲
35. سید، قاسم محمود، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، شاہکار بک فاؤنڈیشن، ص ۱۰۶۶۔
36. حوالہ مذکور۔
37. صدیق، محمد عبدالحفیظ، برصغیر پاک وہند میں اسلامی نظام عدل گستری، اسلام آباد، ادارہ، تحقیقیات اسلامی، ص ۹
38. لجنۃ علماء برئاستہ نظام الدین البلخی، الفتاوی الہندیہ، دارالفکر بیروت، ج ۳، ص ۳۰۶
39. ابن قدامہ نے امام مالک کی یہ روایت نقل کی ہے، دیکھئے: ابن قدامہ، المغنی، دار صارد، بیروت، ج ۹، ص ۳۶۔
40. الکاسانی، علاء الدین ابو بکر بن مسعود، بدائع الصنائع، ج ۳، ص ۱۷، ابن فرحون، ابراہیم بن علی، تبصرۃ الحکام فی اصول الاقضیۃ ومناہج الاحکام، ج ۱، ص ۳۳، طرابلسی، مواہب الجلیل، شرح مختصر، خلیل، ج ۲، ص ۸۷، الماوردی، الاحکام السلطانیہ، ص ۲۵، الحموی، ادب القضاء ص ۸۔
41. الماوردی، الاحکام السلطانیہ، ص ۶۹۔
42. الکاسانی، بدائع الصنائع ج ۷، ص ۳۔

43. ام المؤمین حضرت عائشہ صدیقہ روایت کرتی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا تین اشخاص کسی قسم کے مواخذہ سے بری الذمہ ہیں سویا ہوا شخص ' جب تک کہ وہ بیدار نہ ہو جائے پاگل ' جب تک کہ وہ تندرست نہ ہو جائے اور بچہ جب تک کہ وہ بڑا نہ ہو جائے۔ (ابو داؤد ' سنن ' کتاب الحدود ' حدیث نمبر ۴۳۹۸) رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث مبارک میں نابلغوں کی حکمرانی سے خداوند ذوالجلال کی پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔ (ابو داؤد ' سنن ' کتاب الحدود ' حدیث نمبر ۴۳۹۸ ' الترمذی ' سنن ' کتاب الحدود ' حدیث نمبر ۱۴۲۳ ' امام ترمذی حدیث کی روایت کے بعد فرماتے ہیں۔ حدیث حسن غریب۔

44. الکاسانی ' بدائع الصنائع ' ج ۷ ' ص ۳ ذ ابن فرحون ' تبصرۃ الحکام ' ج ۱ ' ص ۲۳

45. معین الحکام ' ص ۱۴۷ ذ مواہب الجلیلع ج ۶ ' ص ۸۷۔

46. ابن حجر ' فتح الباری ' ج ۵ ' ص ۲۶۸ ذ موفق الدین عبداللہ بن احمد ' ابن قدمہ ' المقنع فی فقہ السنہ ' ج ۳ ' ص ۶۹۶ ' المحلی ' ج ۱۰ ' ص ۶۴۲۔

47. بدائع الصنائع ' ج ۷ ' ص ۳ ذ تبصرۃ الحکام ' ج ۱ ' ص ۳۳۔

48. القرآن ۴ : ۳۴

49. البخاری ' صحیح بخاری ' کتاب الفتن ' حدیث نمبر ۷۰۹۹ سنن النسائی ' کتاب آداب القضاء ' ج ۸ ' ص ۲۲۷۔

50. الترمذی ' کتاب الاحکام ' حدیث نمبر ۳۳۱۵ ' الحاکم ' المستدرک ' ج ۴ ' ص ۹۰ حام اسے صحیح حدیث قرار دیتے ہیں۔

51. ابن قدامہ ' محمد موفق الدین عبداللہ ' المغنی ' مکتبہ القاہرہ ' ۱۹۶۸ء ' ج ۹ ' ص ۴۰۔

52. ابن فرحون ' ابراہم بن علی بن محمد ' تبصرۃ الحکام ' مکتبہ الکلیات الاہری ' ۱۹۸۶ء ' ج ۱۲ ' ص ۲۴۔

53. الکاسانی ' بدائع الصنائع ' ج ۷ ' ص ۳۔

54. شوکانی ' محمد بن علی بن محمد ' نیل الاوطار تحقیق : عصام الدین الصبابطی ' دار الحدیث ' مصر ' ۱۹۹۳ ' ج ۸ ' ص ۲۹۸ ' ابن حزم ' المحلی ' ج ۴ ' ص ۳۲۔

55. القرآن ۴ : ۵۸۔

56. ابن حزم ' ابو محمد علی بن احمد بن سعید ' الاندلسی ' المحلي بالآثار ' دار الفکر۔ بیروت ' سطن ' " مسْئَلَةَ تولي الْمَرْأَةَ الْحُكْمِ " ج ۹ ' ص ۵۲۷

57. ابن العربی ' محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی ' احکام القرآن ' مصر ' مطبعہ عیسی الحلبی ' ج ۳ ' ص ۱۴۴۵۔

58. الماوردی ' ادب القاضی ' ج ۱ ' ص ۶۲۸۔

59. ابن قدامہ ' المغنی ' ج ۹ ' ص ۴۰۔

60. تھانوی ' اشرف علی ' مولانا ' امداد الفتاوی ' ترتیب جدید : مفتی محمد شفیع ' مکتبہ دار العلوم کراچی ' ۲۰۱۰ء ج ۵ ' ص ۱۰۴

61. غازی ' محمود احمد ' ڈاکٹر ' ادب القاضی ' ادارہ تحققات اسلامی ' بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی ' اسلام آباد ' ص ۲۲۳۔

62. غازی ' محمود احمد ' مقالہ " حدود و قصاص میں عورت کی گواہی " اسلامی نظریاتی کونسل کی سالانہ رپورٹ ۱۹۹۲ ' ص ۱۴۹

63. یوسف القرضاوی ' فتاوی معاصرۃ ' اردو ترجمہ : سید زاہد اصغر فلاحی ' البدر پبلشکیشنز راحت مارکیٹ اردو بازار لاہور ' ۲۰۱۲ء ' ج ۲ ' ص ۱۹۴۔۱۹۸

64. حوالہ مذکور

65. وہبہ زحیلی ' الفقہ الاسلامی وادلتہ ' اردو ترجمہ : مولانا محمد یوسف تنولی ' دار الاشاعت کراچی ' سطن ' ج ۸ ' ص ۳۹۰

66. ابن منظور' لسان العرب' مادۃ' ح س ب' ص ۳۱۴
67. العسقلانی' ابن حجر' الاصابہ فی تمیزالصحابہ' بیروت' دارالکتب العلمیہ' ۱۴۱۵' ج۳' ص ۳۳۵۰
68. ابن عبد البر' ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد' الاستعیاب فی معرفۃ الصحابہ' تحقیق: علی محمد البجاوی' دار الجیل۔ بیروت' طہ ا' ۱۹۹۲ء' ج ۴ص ۱۸۶۳' رقم ترجمہ' ۳۳۸۶۔
69. عبدالعزیز بن محمد بن مرشد' نظام الحسبہ فی الاسلام دارسۃ مقاربہ' تحقیقی مقالہ ایم اے جامعہ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ ص ۶۱
70. PLD (Pakistan Legal Decision) (1983) FSC 73
71. E. Abdelkader, "To Judge or Not to Judge: A Comparative Analysis of Islam Jurisprudential Approaches to Female Judges in the Muslim World (Indonesia' Egypt and Iran)", Fordham International Law Journal 37/2 (2014), pp. 307
72. حوالہ مذکور۔
73. حوالہ مذکور
74. Nadia, Sonneveld, Women Judges in the Muslim World, Brill , Leiden Boston, pp 284
75. Ibid 285
76. Abu Haniffa Mohamed Abdullah & Mohd Yazid bin Zul Kepli, “Women Judges in Shariah Court: Why Not?”,in [2008] Shariah Law Reports, at p.10
77. Asghar Ali Engineer The Rights of Women in Islam, 1992, IBS Buku Sdn Bhd., at p. 77